اسلام کا تربیتی نظام صحیفۂ سجادیہ کے تناظر میں

مؤلف: حمید مقامی
مترجم: مولانا ڈاکٹر رضوان حیدر

اسلام کے تربیتی نظام کی تحلیل و استنباط کے لئے ائمہ معصومین علیہم السلام کی دعائیں اور خاص طور پر امام زین العابدینؑ کی گراں قدر دعائیں اہم ذرائع شمار ہوتی ہیں۔اس مقالہ میں صحیفہ کاملہ میں موجود تربیتی طریقوں کے مقاصد، اصول اور بنیادوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ پہلے تربیتی نظام، اہداف و مقاصد، مبانی و اصول اور تربیت کے طریقوں جیسے مفاہیم کی تعریف و تحلیل کی جائے گی اور ان مفاہیم کے درمیان ربط کو واضح کیا جائے گا اور پھر ان عناصر کے درمیان موجود منطقی ربط کے پیش نظر، صحیفہ سجادیہ کے نقطہ نظر سے تربیت کے عملی طریقوں کو بیان کیا جائے گا۔

زبان دعا تربیت کا بہترین طریقہ ہے اور صحیفۂ کاملہ میں شیعوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اسی طریقہ کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ یہ زبان ایک جذباتی اور عقلانی زبان کے عنوان سے تربیت پانے والوں کے اندر عقلانی جذبہ اور دل انگیز شعور پیدا کرتے ہوئے، تربیت کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ صحیفۂ کاملہ کی کلی اور جزئی تربیتی رہنمائیاں، انسان شناسی کے بنیادی اصول اور تربیت کے بلند مقاصد پر مبنی ہیں جس کی وجہ سے، اسلامی تعلیم و تربیت کے نظام کو ایک منطقی اور خوبصورت ڈھانچہ عطا کرتی ہیں۔اگرچہ یہ ڈھانچہ صحیفۂ کاملہ میں کسی معین صورت میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن ایک ایسے استنباط کا محتاج ہے جس کے ذریعہ اس کے بنیادی اصول و مقاصد واضح ہو سکیں۔

تربیتی نظام: تربیتی نظام یعنی تربیت سے تعلق ایسے منظم مفاہیم و افکار کا مجموعہ جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور بنیادی طور پر تربیت کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں اور یہ مفاہیم کچھ اس طرح ہیں: مبانی، مقاصد، اصول اور طریقے جو تعلیم و تربیت کے بنیادی عناصر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

تربیت کے مقاصد: تعلیم و تربیت کے باب میں اہداف و مقاصد وہ آخری نقطہ اور مطلوبہ کیفیت ہے جس پر ہماری تربیتی کوششیں ارادی طور پر مرکوز ہوتی ہیں۔ مقاصد کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک آخری مقصد اور دوسرا بالواسطہ مقاصد۔ بعض بالواسطہ مقاصد ایک دوسرے سے عرضی تناسب رکھتے ہیں یعنی ایک دوسرے کے پہلو میں رہتے ہوئے انسان کے مختلف حالات پر نظر رکھ سکتے ہیں اور یہ اہداف، غائی اہداف کے مقابلہ میں طولی ربط رکھتے ہیں یعنی یکے بعد دیگرے اور غائی اہداف کے حصول کی ایک کڑی شمار ہوتے ہیں۔ صحیفۂ کاملہ میں اس طرح کے بعض اہداف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تربیت کی بنیادیں: تربیت کی بنیادیں انسان کی عام خصوصیات کو بیان کرتی ہیں اور ایسے جملوں کے ذریعہ جن میں "ہے" کا استعمال ہوا ہے، قابل بیان ہیں۔دوسرے لفظوں میں تعلیم و تربیت کی بنیادیں انسان کی پوزیشن، ذرائع، اس کے حدود اور اس کی ضرورتوں کے بارے میں بحث کرتی ہیں جن سے انسانی زندگی مسلسل دوچار رہتی ہے۔اس مقالہ میں مبانی تربیت سے مراد صحیفۂ کاملہ سے ماخوذ وہ تجویزات ہیں جو انسان کی عام خصوصیات کو بیان کرتے ہیں۔

تربیت کے اصول: ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جن کو مبانی (انسان کی عام خصوصیات) اور مقاصد کے پیش نظر دریافت کرکے، عملی تربیت میں استعمال کیا جاتا ہے۔اس بحث میں جن اصولوں پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، ان کی بنیاد صحیفۂ کاملہ سے حاصل شدہ مبانی ہیں اور یہ اصول، تربیت کے طریقوں کے دریافت کرنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

تربیت کے طریقے: یہ طریقے وہ دستور العمل ہیں جن کو متربی کے اندر مطلوب تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اس دستور العمل کا ہر حصہ کسی نہ کسی تربیتی اصول کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور اسی پر موقوف ہے۔تربیت کے طریقوں کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مبانی، اہداف اور ان کے

درمیان آپسی ارتباط کو مد نظر رکھا جائے۔ اس مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تربیتی طریقوں کو صحیفہ کاملہ کے مبانی واہداف کے پیش نظر حاصل کیا جائے۔

صحیفہ کاملہ میں تربیت کے اہداف

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اہداف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک آخری مقصد اور دوسرا بالواسطہ اہداف۔ بالواسطہ اہداف، آخری ہدف سے طولی رابطہ رکھتے ہیں اور وہ اسی وقت مفید ہیں جب آخری ہدف سے وابستہ ہوں۔ چنانچہ ان کی اہمیت آخری ہدف کی وجہ سے ہے اور یہ تمام اہداف ایک دوسرے کے ساتھ مل کر انسان کے اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری مراتب پر نظر رکھتے ہیں۔

آخری ہدف: امام زین العابدینؑ کی نظر میں تربیت کا آخری ہدف (آخری مقصد) قرب الٰہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ پوری صحیفہ کاملہ میں خدا کی طرف توجہ موجزن ہے۔ امامؑ نے نظام تربیت کو خدا سے گفتگو اور دعا کے پیرائے میں بیان فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ زندگی کو خدا کے نام اور اس کی یاد اور اس کے تقرب کے ذریعہ زینت دینا چاہئے۔

بنیادی طور پر خود لفظ دعا تربیت کرنے والا اور رہنما ہے۔ دعا خود بخود روح کو پاک کرتی ہے اور بلندی و تقرب کی راہ کو ہموار کرتی ہے۔ امام علیہ السلام نے بہت سی دعاؤں میں خدا کے تقرب کا مطالبہ کیا ہے اور جو لوگ اس کے تقرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے انہیں کامیاب لوگوں میں شمار کیا ہے:

> یَا مَن تَنقَطِعُ دُونَ رُویتهَ الاَبصَارُ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَ آلِهَ وَ اَدنِنَا اِلی قُربِکَ۔ ترجمہ: اے وہ کہ جس کو آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں! محمد وآل محمد (علیہم السلام) پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنا قرب عطا فرما۔[1]
>
> وَ مَن تُقَرِّبهُ اِلَیکَ یَغنَم۔ ترجمہ: جس کو تو نے اپنا قرب عطا کیا وہ فائدہ میں رہا۔[2]

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۵، بند ۴
۲۔ ایضاً، دعا۵، بند ۹

اور سچ تو یہ ہے کہ یہ فائدہ سعادت و نیک بختی اور انسانی تربیت کے اصل مقصد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ جو بھی خداوند عالم سے تقرب کے لئے اس کی رسی سے متمسک ہوگیا، اس نے اس کا تقرب حاصل کر لیا:

اَلقَریبُ اِلی مَن حَاوَلَ قُربکَ۔ ترجمہ: جس نے تیرے قرب کا ارادہ کیا تو اس کے قریب ہوگیا۔[1]

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم وتربیت کے آخری مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں قصد قربت کیوں ضروری ہے اور اس راہ میں کوشش کرنا متربی کی ذمہ داری ہے:

و اَذِقْنِی طَعْمَ الفَراغِ لِما تُحِبُّ بِسَعَةٍ من سَعَتِکَ و اَلاِجْتِهادِ فِیمَا یُزْلِفُ لَدَیکَ وَ عِنْدَکَ۔ ترجمہ: مجھے اپنی وسعتوں کی بنا پر اپنے محبوب اعمال کے لئے فرصت اور اپنی بارگاہ سے قریب تر بنانے والے اعمال کی کوشش کا مزہ چکھاوے۔[2]

اسی بنیاد پر تمام بالواسطہ اہداف جو کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل پر محیط ہیں، کو آخری مقصد پر منتہی اور تمام ہونا چاہئے ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کے قرب و ملاقات کی اس کوشش میں شوق و ذوق کا ہونا ضروری ہے:

وَ شَوِّقْنی لِقائک۔ ترجمہ: میرے اندر اپنے دیدار و ملاقات کا شوق پیدا کردے۔[3]

متربی کا مقصد صرف و صرف اس کا دیدار و ملاقات ہونا چاہئے:

واجْعَلْ فِیما عِنْدَکَ رَغْبَتی شَوقاً اَلی لَقائِکَ۔ ترجمہ: اور اپنے ثواب کی رغبت پیدا کر دینا تا کہ میں تیری ملاقات کا مشتاق بن جاؤں[4]۔

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۴۵، بند ۲۱
۲۔ ایضاً، دعا ۴۷، بند ۱۲۵
۳۔ ایضاً، دعا ۴۷، بند ۱۲۶
۴۔ ایضاً، دعا ۵۴، بند ۴

اللہ تعالیٰ کا تقرب اس عنوان سے کہ اس دنیا کی تربیت کا آخری اور اصلی مقصد ہے، اس قدر اہم ہے کہ امام زین العابدینؑ کی نظر میں وہ انسان کے سکون کا سرچشمہ ہے:

وَاجْعَل لِی عِنْدَکَ مَقیلاً آوِی اِلَیهِ مُطْمَئِنًّا وَ مَثَابَةً اَتبَوَّءُ وَ اَقَرُّ عَیناً۔ ترجمہ: میرے لئے اپنے قرب میں وہ مقام قرار دے جو میرے لئے سکون و اطمینان کا باعث ہو اور میری آنکھوں کو روشن کردے۔[۱]

یہ سکون و اطمینان کا مقام اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب متربی اپنے پورے وجود یعنی مال و دولت و نفس و جان سے قصد قربت رکھتا ہو اور اس کو جوار رحمت الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہو:

وَاجْعَل مَا خَوَّلتَنی مِن حُطامِهَا وَ عَجَّلتَ لِی مِن مَتاعِهَا بُلغَةً اِلَی جَوارِکَ وَ وُصلَةً اِلَی قُربِکَ وَ ذَرِیعَةً اِلَی جَنَّتِکَ۔ ترجمہ: جو کچھ تو نے مجھے مال و متاعِ دنیا عطا کیا ہے اور جو بھی تو نے (اس دنیا میں) دیا ہے اسے اپنے جوار تک پہنچنے کا ذریعہ اور تقرب اور جنت کا وسیلہ قرار دے۔[۲]

لہٰذا جو کچھ بیان کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرب یعنی خدا کی طرف رخ کرنا، خدا سے دوری اور روگردانی کے برخلاف۔ تعلیم و تربیت کے عمل میں جو چیز مقصد کے لئے اہم ہے وہ متربی کا ذات خداوند متعال کی طرف متوجہ ہونا ہے، اس طرح کہ اس کا ہر کام اور ہر عمل خدا کی یاد اور اس کی توجہ کے ساتھ انجام پائے اور وہ غفلت میں نہ ڈوب جائے۔

توجہ کے بھی مراتب ہوتے ہیں جو انسان کے ظاہر اور باطن پر محیط ہوتے ہیں۔ جس قدر بھی ظاہری اور باطنی توجہ زیادہ ہوگی خدا سے تقرب اتنا ہی زیادہ ہوگا اور یہ توجہ جس قدر سطحی اور معمولی ہوگی خدا سے تقرب اتنا ہی کم ہوگا، لیکن اس راہ پر گامزن رہنا سب سے زیادہ اہم ہے۔ متربی اپنے معبود کی طرف جو بھی قدم اٹھاتا ہے، چاہے وہ قدم چھوٹا ہی کیوں نہ ہو وہ تقرب کے ایک درجہ کو پا ہی لیتا ہے، اس طرح وہ پچھلے حالات کی بنسبت اس سے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ بلند مرتبہ اور رتبہ کی بنسبت کمزور ہوتا ہے۔

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۴۷، بند ۱۲۹

۲۔ ایضاً، دعا ۳۰، بند ۶

اسلامی تعلیم و تربیت میں مربی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ متربی کی آگے کے درجہ کی طرف رہنمائی کرتا رہے اور متربی بھی اپنے کاموں میں قرب الٰہی کا قصد رکھے تاکہ وہ بھی مسلسل مربی کے ساتھ ساتھ بلند مراتب اور قرب الٰہی کو حاصل کرتا رہے، جیسا کہ امام زین العابدینؑ بھی ایک مربی کی حیثیت سے خداوند عالم سے تقرب چاہتے ہیں:

و ادننا الیٰ قربک۔ ترجمہ: ہمیں اپنے تقرب سے قریب کردے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیم و تربیت میں مربی اور متربی دونوں مسلسل تبدیلی کی کیفیت میں رہتے ہیں۔ ایسی تبدیلی جس میں ہر لحہ پچھلے مرحلہ سے زیادہ بلند و کامل مرتبہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔

بالواسطہ مقاصد

عقلانی تربیت: تربیت کی راہ میں رکاوٹ بننے والی چیزوں کے مقابلہ میں متربی کو جو چیز مستحکم و مضبوط بناتی ہے وہ اس کی عقلانی قوت ہے جو اس کو تربیت کے آخری مقصد کے اعتبار سے مطلوبہ مقام تک پہنچنے میں مدد کرتی ہے۔ عقلانی تربیت ایک اہم بالواسطہ مقصد کے عنوان سے "عقلانی دستور" تک پہنچنے اور قرب الٰہی کے مقام کو حاصل کرنے میں متربی کی مدد کرتی ہے اور اس کے بغیر اس راہ پر گامزن رہنا بہت ہی سخت بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ شیطان ایک اہم ترین رکاوٹ کی حیثیت سے تعلیم و تربیت کے عمل میں فکری اور روحانی بے چینی پیدا کرتا رہتا ہے اور انسان کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں آنے دیتا۔ امام زین العابدینؑ نے دعائے مکارم الاخلاق میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

> اَللّٰهُمَّ اجْعَل مَا يُلْقِى الشَّيطانُ فِى رَوعِى مِنَ التَّمَنِّى وَ التَّظَنِّى وَالحَسَدِ ذِكْراً لِعَظَمَتِکَ وَ تَفَكُّراً فِى قُدْرَتِکَ وَ تَدبيراً عَلَى عَدُوِّکَ۔ ترجمہ: خداوندا! شیطان ہمارے دل میں جو جھوٹ، بدگمانی اور حسد ڈالتا ہے تو اس کو اپنی عظمت کی یاد، اپنی قدرت کے خیال اور اپنے دشمن کے مقابلہ میں عاقبت اندیشی میں بدل دے۔[2]

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۵، بند ۴

۲۔ ایضاً، دعا ۲۰، بند ۱۳

صحیفہ کاملہ کی نظر میں عقلانی تربیت کے تین مرحلے قابل تصور ہیں:

۱۔ ذکر (ذکراً لعظمتک)

۲۔ فکر (تفکراً فی قدرتک)

۳۔ تدبیر (تدبیراً علی عدوک)

پہلا مرحلہ جس کو امام علیہ السلام نے ذکر کا نام دیا ہے، متربی کے علم کی یاددہانی ہے۔ متربی ایک انسان کی حیثیت سے فطرتاً بھول اور غفلت سے دوچار رہتا ہے اور چونکہ مربی کی جانب سے یاددہانی (تذکر) اور متربی کی جانب سے یاد (ذکر) عقلانی تربیت کے بالواسطہ ہدف کے پیش نظر اور اسلامی تعلیم و تربیت میں آخری مقصد تک رسائی کے ایک اہم و بنیادی اصل ہونے کے اعتبار سے توجہ کا مرکز ہے، لہٰذا مربی کو چاہئے کہ عقلانی تربیت کے پہلے مرحلہ میں سب سے پہلے متربی کے ذہن کو تحریک کرتے ہوئے اس کی فطری اور اکتسابی معلومات کو خداوند عالم کی عظمت و بزرگی (ذکراً لعظمتک) کی طرف رہنمائی کرے اور اس کو اس مسئلہ کے متعلق سوچنے اور سمجھنے پر آمادہ کرے۔ اسی طرح مربی کو چاہئے کہ متربی کے لئے خداوند عالم کی قدرت میں غور و فکر کرنے کی راہ ہموار کرے۔ (تفکراً فی قدرتک)

ان دونوں مرحلوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ متربی کو تدبیر حاصل ہو جائے گی۔ (تدبیراً علی عدوک) متربی ذکر و فکر کے بعد ایسی عقلانی طاقت حاصل کرلیتا ہے جس کے ذریعہ اور تدبیر و دوراندیشی کے ساتھ تربیت کی راہ میں موجود رکاوٹوں (شیطان جو اس کا دشمن ہے) کو سمجھ سکتا ہے، البتہ یہ سب چیزیں صرف خدا کی توفیق اور اس کی مدد سے ہی ممکن ہیں۔

خدا کی معرفت: صحیفہ کاملہ میں تربیت کے بالواسطہ مقاصد میں سے ایک خدا کی معرفت ہے اور یہ مقصد جو آخری مقصد کے حصول کی کنجی ہے، خداوند عالم سے تقرب کے حصول میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ خداوند عالم کی معرفت کے بغیر اس کا تقرب ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم کی قربت، اچھے اخلاق سے آراستہ ہونا، حصول ایمان اور اس کی ذات پر توکل اور تقوی یہ ساری چیزیں اس کی مکمل اور گہری معرفت پر منحصر ہیں۔

معمولی معرفت کی وجہ سے خدا اور بندے کے درمیان ایک کمزور رابطہ وجود میں آتا ہے اور جس قدر یہ معرفت وسیع و عمیق ہوتی جاتی ہے، یہ رابطہ اور زیادہ محکم و مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ امام زین العابدینؑ

نے اپنی متعدد دعاؤں میں معرفت الٰہی کی گفتگو کی ہے اور توحید اور اس کے مراتب، خداوند عالم کی ذات، صفات اور معرفت جیسے موضوعات کو بیان کیا ہے۔ آپ نے پہلی دعا میں خداوند عالم کی حمد و ثنا کے ضمن میں ذات خدا کی معرفت اور اس کی شناخت کی بات کی ہے:

> اَلَّذِی قَصُرَت عَن رُؤیَتِهِ اَبْصَارُ النَّاظِرِینَ وَ عَجَزَت عَن نَّعْتِهِ اَوهامُ الوَاصِفِینَ ابْتَدَعَ بِقُدْرَتِهِ الخَلْقَ ابْتِدَاعاً وَ اخْتَرَعَهُم عَلَى مَشِيَّتِهِ اخْتِراعاً ثُمَّ سَلَکَ بِهِم طَرِیقَ اِرَادَتِهِ وَ بَعَثَهُم فِی سَبِیلِ مُحَبَّتِهِ۔ ترجمہ: وہ خدا جس کو دیکھنے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں قاصر ہیں اور توصیف کرنے والے اس کی توصیف نہیں کر سکتے۔ اس نے اپنی قدرت و طاقت سے ان مخلوقات کو خلق کیا اور ان کو اپنے ارادہ و مشیت سے وجود بخشا ہے حالانکہ اس کے لئے نہ کوئی مثال تھی نہ کوئی نمونہ پھر انہیں اپنے ارادے کی راہ پر لگادیا اور اپنی محبت کی راہ پر آمادہ کر دیا۔[۱]

اس دعا اور دعائے عرفہ جیسی دوسری دعاؤں میں امام علیہ السلام نے خداوند عالم کو پہچنوایا ہے اور انسانوں کے لئے خدا کی معرفت کے دریچے کھولے ہیں۔ خدا کی معرفت چاہے حصولی ہو اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہو اور چاہے علم حضوری کے ذریعہ حاصل ہو، صحیفۂ کاملہ میں دونوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر امام زین العابدینؑ نے صحیفۂ سجادیہ کی پہلی دعا میں فطری اور حضوری معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے اور انسانوں کو اپنی معرفت کی توفیق عطا کرنے پر اللہ تعالی کی حمد و ثنا فرمایا ہے:

> اَلحَمدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا عَرَّفَنَا مِن نَفْسِهٖ وَ اَلْهَمْنَا مِنْ شُكْرِهٖ وَ فَتَحَ لَنَا مِن اَبوابِ العِلْمِ بِرُبُوبِیَّته وَ دَلَّنَا عَلَیهِ مِنَ الاِخلاصِ لَهُ فِی تَوحِیدِهٖ وَ جَنَّبَنَا مِنَ الاِلْحَادِ وَ الشَّکِّ فِی اَمْرِهٖ۔ ترجمہ: تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اپنے نفس کی معرفت عطا کی اور اپنے شکر کا الہام کیا (یعنی شکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی) اور اپنی ربوبیت کی معرفت کے

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۱، بند ۲، ۳، ۴

دروازوں کو ہم پر کھول دیا اور توحید میں اخلاص کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہمیں اپنے معاملہ (معرفت ذات خدا) میں شک و شبہ سے محفوظ رکھا۔[۱]

صحیفۂ سجادیہ میں تربیت کی بنیادیں

صحیفۂ سجادیہ میں غور و فکر کے ذریعہ انسان کی بعض عام خصوصیات کو تربیت کے اصول کے عنوان سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ امام زین العابدینؑ کی نظر میں تربیت کے بعض اصول اس طرح سے ہیں۔ خدا کی تلاش اور اس کی محبت، غفلت اور خود پسندی۔

خدا کی تلاش: صحیفۂ کاملہ میں خدا کی تلاش، خدا پسندی اور اس سے محبت کو انسان کی عام خصوصیت کے عنوان سے تعلیم و تربیت کے اہم اصولوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ مشترک حس فطری طور پر تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں میں بھی جو خدا کے پانے میں راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ امام سجادؑ بیسویں دعا میں خداوند عالم سے درخواست کرتے ہیں:

> اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی اَصُولُ بِکَ عِندَ الضَّرُورَةِ وَ اَسْئَلُکَ عِنْدَ الحَاجَةِ وَ اَتَضَرَّعُ اِلَیکَ عِنْدَ المَسْکَنَةِ۔ ترجمہ: خداوندا! مجھے ایسا بنا دے کہ ضرورت کے وقت تیری مدد سے مشکلات پر غالب آجاؤں اور حاجت کے موقع پر تجھ سے طلب کروں اور تنگ دستی میں تیری بارگاہ میں گریہ و زاری کروں۔[۲]

یہ کلمات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان کے اندر کی طاقت اسے خدا کی طرف کھینچتی ہے اور مشکلات میں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

غفلت: صحیفۂ کاملہ میں تربیت کے جن اصولوں پر تاکید کی گئی ہے، ان میں سے ایک غفلت ہے البتہ اس اصل کا پچھلی اصل یعنی خدا کی تلاش و محبت کی اصل کے ساتھ بھی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل کلمات میں ان دونوں خصوصیتوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱، بند ۱۰

۲۔ ایضاً، دعا ۲۰، بند ۱۲

وَلا تَسْمُنَا الغَفْلَةَ عَنْکَ اِنَّا اِلَیْکَ رَاغِبُونَ وَ مِنَ الذُّنُوبِ تَائِبُونَ۔ ترجمہ: ہمیں اپنی جانب سے غفلت میں مبتلا نہ کر اس لئے کہ ہم تیری طرف راغب ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔[1]

صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں خدا سے محبت اور اس کی یاد سے غفلت جیسے موضوعات پر غور و فکر کرنے سے دو بات سمجھ میں آتی ہے:

۱۔ انسان خدا کو چاہنے والا اور اس کی تلاش میں ہے۔

۲۔ غفلت انسان کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ دونوں باتیں تربیت کے بعض اصول جیسے توبہ و تذکر کے لئے اصل و بنیاد قرار پا سکتے ہیں۔

خود پسندی: انسان کی بہت سی محبتوں اور چاہتوں کا سرچشمہ خود پسندی ہے اور اس چیز کو ہم تربیت کی تیسری بنیاد شمار کر سکتے ہیں اور تربیت کے بعض اصول و طریقوں کو اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صحیفہ کاملہ میں اس عنوان کا مستقل طور پر تو ذکر نہیں ہوا ہے لیکن بعض دعاؤں میں غور و فکر کرکے اس خصوصیت کے مظاہر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

امام زین العابدینؑ کی اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے دعا (دعا۷)، حاجتوں کی طلب (دعا۱۳)، بیماری کے وقت شفا (دعا ۱۵)، بلاؤں اور سختیوں سے نجات (دعا ۱۸)، صحت و تندرستی (دعا ۲۳)، رزق کی تنگی اور فقر سے نجات (دعا ۲۹)، قرض کی ادائیگی کے لئے مدد مانگنا (دعا ۳۰)، غم و اندوہ سے نجات (دعا۵۴) اور دوسری بہت سی دعائیں جن میں خداوند عالم سے سعادت و نیک بختی، کمال و قدرت اور نعمت کا مطالبہ کیا گیا ہے، یہ سب کے سب انسان کی خود سے محبت یا خود پسندی کو بیان کرتی ہیں۔ اگر خود پسندی یا حب ذات کو تربیت کی ایک اصل کے عنوان سے دیکھا جائے اور اس پر توجہ دی جائے تو یقیناً وہ متربی کی عزت، کمال، سعادت و نیک بختی اور سرفرازی کا سرچشمہ قرار پائے گی لیکن اگر یہی جذبہ غلط رخ اختیار کر لے تو تکبر و استکبار اور بغاوت و گناہ اس پر غالب آجائے گا اور انسان کو خود خواہی، خود پرستی اور غرور

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۴۳، بند ۴

و تکبر میں مبتلا کر دے گا۔ ان مطالب سے ہم تربیتی تدابیر میں ایک اصل " اصل عزت " کے عنوان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

صحیفہ کاملہ میں تربیت کے اصول

تربیت کے اصول وہ قواعد ہیں جو اصول و مقاصد میں غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور تعلیم و تربیت کے عمل میں رہنما قرار پاتے ہیں۔ تربیت کے اصولوں کی بنیاد پر صحیفہ کاملہ میں مذکور اصول تربیت میں سے تین اہم اصل یعنی توبہ، تذکر اور عزت نفس کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

توبہ یا کردار میں تبدیلی: توبہ یا کردار میں تبدیلی کی اصل سے خدا جوئی (خدا کی تلاش) کی اصل کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صحیفہ کاملہ میں توبہ (بازگشت) یا کردار میں تبدیلی کو انابہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

ان یکن الترک لمعصیتک انابة فانا اول المنیبین۔ ترجمہ: اگر تیری نافرمانی اور گناہ کا ترک کر دینا انابہ اور توبہ (بازگشت) ہے تو میں سب سے پہلے توبہ کرنے والا ہوں[1]۔

❖

تلقاک بالانابة۔ ترجمہ: توبہ اور انابہ کے ذریعہ ہم تیری طرف رخ کرتے ہیں۔[2]

خدا کی طرف واپسی اور کردار میں تبدیلی متربی کے اندر توبہ کی تدبیر کے ذریعہ ممکن ہے۔ انابہ کا معنی ہے" الرجوع الی اللہ بالتوبة "[3]۔ انابہ یعنی توبہ کے ذریعہ خدا کی طرف پلٹ آنا۔ یا انابہ اطاعت کے معنی میں ہے[4] جس میں کردار میں تبدیلی اور گناہ و نافرمانی سے اطاعت میں تبدیلی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

متربی کا خدا کی طرف پلٹ آنا اور اس بنیادی موضوع کی طرف اس کا متوجہ ہو جانا اصول تربیت کی ایک بنیادی اصل یعنی " اصل تذکر " کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ تعلیم و تربیت کے دوران کبھی کبھی متربی، مربی کی

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۳۱، بند ۲۸
۲۔ ایضاً، دعا ۱۲، بند ۸
۳۔ ابن منظور، لسان العرب (ج ۱۴)، ص ۳۱۹
۴۔ ایضاً

نعمتوں اور اس کی نیکیوں کو بھول جاتا ہے، اسی لئے وہ گناہ و نافرمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور تربیت کی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ اس مقام پر مربی کی ذمہ داری ہے کہ اس کو یاد دلائے، اس کو واپس بلائے اور اپنی نیکی و محبت کی آغوش میں سمو لے۔

اصل تذکر (یاد دہانی): **اصل** تذکر یا یاد دہانی جو "غفلت" یا خدا سے دوری سے متعلق ہے، اصول تربیت کے بنیادی ترین مسائل میں سے ہے کہ جس کی ہر وقت مربی کو ضرورت رہتی ہے، اس لئے کہ غفلت مسلسل متربی کی تاک میں رہتی ہے تاکہ اس کو اچک لے۔

یہ **اصل** "توبہ یا بازگشت اور کردار میں تبدیلی" کا مقدمہ ہو سکتی ہے۔ امام علیہ السلام اپنی مختلف دعاؤں میں غفلت کے بارے میں بتاتے ہیں اور ذکر یا یاد دہانی کو غفلت سے دوری کا بہترین طریقہ مانتے ہیں:

نَبِّهْنِی لِذِکْرِکَ فِی اَوْقَاتِ الْغَفْلَةِ۔ ترجمہ: غفلت کے اوقات میں مجھے اپنی یاد میں مشغول کر دے[1]۔

❖

وَاشْغَلْ قُلُوبَنَا بِذِکْرِکَ عَنْ کُلِّ ذِکْرٍ۔ ترجمہ: اور ہمارے دلوں کو اپنی یاد میں لگا دے۔[2]

❖

ثُمَّ انْتَبَهْتُ بِتَذْکِیرِکَ لِی مِنْ غَفْلَتِی۔ ترجمہ: تیرے آگاہ کرنے کی وجہ سے میں خواب غفلت سے بیدار ہو گیا۔[3]

ان عبارتوں کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ غفلت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ متربی کو یاد دہانی کی جاتی رہے۔ یہی یاد دہانی اور رہنمائی متربی کو بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے بچاتے ہوئے راہ راست پر لگاتی ہے۔ اس لئے امام علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

وَ نَهَضْتُ بِتَوفِیقِکَ مِنْ زَلَّتِی وَ رَجِعْتُ وَ نَکَصْتُ بِتَسْدِیدِکَ عَنْ عَثْرَتِی۔

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۲۰، بند ۲۹
۲۔ ایضاً، دعا ۱۱، بند ۱
۳۔ ایضاً، دعا ۱۳، بند ۱۶

ترجمہ: تیری توفیق کی وجہ سے میں لغزش سے بچ گیا اور تیری رہنمائی کے ذریعہ میں گرنے سے بچ گیا۔

اصل عزت: خود دوستی کو انسان کی عام خصوصیت قرار دیتے ہوئے ''عزت'' کو اصول تربیت کی تیسری اصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس اصل کے مطابق مربی کو چاہئے کہ متربی کو عزت نفس عطا کرے۔ متربی اگر خود دوستی کے جذبے کے پیش نظر اپنے اندر ایک حقیقی عزت نفس کا احساس کرتا ہے، تو پھر اس کے اندر خود شیفتگی، خود محوری، خود خواہی اور خود پسندی وغیرہ جیسے برے احساسات جنم نہیں لے سکیں گے بلکہ اس کے بر خلاف وہ اپنی قوت وطاقت سے باخبر ہوتے ہوئے کمال اور سعادتمندی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

متربی چونکہ خود اپنے اوپر فریفتہ ہے اس لئے یہ '' اصل عزت '' اس کی ہدایت کر سکتی ہے اور اس کو سعادت کی راہ دکھا سکتی ہے۔ متربی کو عزت دینے اور متربی میں احساس عزت پیدا کرنے میں فرق ہے۔ عزت کا احساس وہم وخیال بھی ہو سکتا ہے جو ذلت کے ساتھ اکٹھا ہو سکتا ہے لیکن حقیقی اور واقعی عزت، ذلت کے ساتھ اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کوئی خود پسندی کے جذبے کی بنیاد پر علم، قدرت اور حسن و جمال وغیرہ کے ذریعہ دوسروں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے تو اس کے اندر عزت کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ ایسا شخص ممکن ہے اپنی خصوصیات کا دیوانہ ہو جائے تو ایسی صورت میں پھر اس کے پاس حقیقی اور واقعی عزت نہیں ہوتی۔

ایسے موقع پر مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ متربی کے اندر حقیقی عزت کا احساس پیدا کرے، اس لئے کہ کبھی کبھی عزت کا احساس نفس کی تحقیر وذلت اور گمراہ کن خود پسندی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسی لئے امام علیہ السلام اپنی دعا میں لوگوں کے درمیان عزت و بزرگواری کو اپنی نظر میں دنیاوی مقام و منزلت کی پستی کے ساتھ چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے خود کو خداوند عالم کے سپرد کرتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَا تَرْفَعْنِی فِی النَّاسِ دَرَجَةً اِلَّا حَطَطْنِی عِنْدَ نَفْسِی مِثْلَهَا وَ لَا تُحْدِثْ لِی عِزًّا ظَاهِراً اِلَّا اَحْدَثْتَ لِی ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ نَفْسِی بِقَدَرِهَا۔ ترجمہ: مجھے لوگوں کے درمیان کوئی

منصب و مقام عطا نہ فرما مگر یہ کہ اتنا ہی مجھے میرے نفس کے سامنے پست کر دے اور میرے لئے ظاہری بزرگواری قرار نہ دے مگر یہ کہ اس قدر مجھے میرے نفس کے نزدیک باطنی اور پوشیدہ ذلت و خواری قرار دے۔[1]

واضح رہے کہ مترّبی کے اندر احساس ذلت کو دور کرنے کے لئے حقیقی اور پائیدار عزت کو پانے کے احساس کو بیدار کرنا ہوگا اس لئے کہ عزت کا احساس صرف عزت حاصل کرنے کے لئے حالات فراہم کرنے کا کام کرتا ہے۔ حقیقی عزت صرف اور صرف بارگاہ احدیت میں بندگی اور تذلل کے ذریعہ ہی ممکن ہے جیسا کہ امام زین العابدینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ ذَلِّلْنِي بَينَ يَدَيک وَ اَعِزَّنِي عِنْدَ خَلْقِک وَ ضَعْنِي اِذَا خلوت بِکَ وَ اَرْفَعْنِي بَينَ يَدَيکَ۔ مجھے اپنی بارگاہ میں ذلیل اور اپنی مخلوقات کے درمیان عزیز و بزرگوار قرار دے اور جب میں تنہائی میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو ذلیل و حقیر اور جب تیرے بندوں کے درمیان ہوں تو بلند مرتبہ و باعزت رہوں۔[2]

اس طرح بندگی کے سائے میں خداوند عالم کی عزت کے سہارے اور اس کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے، انسان لوگوں سے دور اور خدا کی عزت کی وجہ سے ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے:

وَ امْنَعْنَا بِعِزِّکَ مِنْ عِبَادِکَ وَ اَغْنِنَا مِنْ غَيْرِکَ بِاِرْفَادِکَ۔ ترجمہ: مجھے اپنی عزت و قدرت کے ذریعہ لوگوں (کے شر) سے دور کر دے اور اپنی بخشش کے ذریعہ اپنے علاوہ سے بے نیاز کر دے۔[3]

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۲۰، بند ۴
۲۔ ایضاً، دعا ۴۷، بند ۱۱۸
۳۔ ایضاً، دعا ۵، بند ۱۳

ایسا لگتا ہے کہ اسلامی تربیت کے اصولوں میں "عزت" سب سے اہم اور بنیادی اصل ہے اس لئے کہ اگر متربی خود کو اپنی نگاہ میں باعزت پائے گا تو کبھی بھی خود کو گناہ میں مبتلا نہیں کرے گا یا کم سے کم پستی اور حقارت کا رجحان اس کے اندر بہت کم ہو جائے گا۔

تربیت کے طریقوں کو ایسا ہونا چاہئے کہ متربی کے اندر عزت نفس کا احساس پیدا ہو جائے اور اس کو ذلت و حقارت میں ڈوبنے سے بچالے۔ "اصل عزت" ہی کی بنیاد پر صحیفہ کاملہ کی عبارتوں سے "عذر پذیری، عیب پوشی، حسن ظن" جیسے تربیت کے طریقے اور "اصل تذکر" (یاد دہانی) کے ذریعہ بگڑی ہوئی شخصیت کو سنوارنے اور باطنی عزت کو پالینے کے طریقے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

صحیفہ کاملہ میں تربیت کے طریقے

اس حصہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تربیت کے تین اصل یعنی بازگشت (توبہ)، تذکر (یاد دہانی) اور عزت کی بنیاد پر متربیوں کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی کے سلسلہ میں بعض تربیتی طریقوں کو صحیفہ کاملہ کی عبارتوں سے حاصل کر کے پیش کیا جائے۔ اس تناظر میں بارہ طریقوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ حالانکہ تربیت کے طریقے صرف بارہ میں محدود نہیں ہیں اور مربی تربیت کے بنیادی اصولوں کے پیش نظر موقع و محل کو دیکھتے ہوئے دوسرے طریقوں سے بھی استفادہ کر سکتا ہے۔

توبہ (بازگشت): توبہ کا صحیفہ کاملہ میں ایک خاص اور اہم مقام ہے اور تربیت کے اصل "بازگشت" یعنی توبہ یا "کردار میں تبدیلی" کے پیش نظر تربیت کے عمل میں اسے ایک جزئی ہدایت کے عنوان سے استعمال کیا جاتا ہے۔

لغت میں "توبہ" کے معنی رجوع اور بازگشت (پلٹنا) کے[1] ہیں اور صحیفہ کاملہ میں یہ لفظ گناہوں پر پشیمان ہونا اور کردار میں تبدیلی یا انسان کی اصلاح اور برائی سے دوری کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنْ یَکُنِ النَّدَمُ تَوبَۃً اِلَیکَ فَاَنَا اَندَمُ النَّادِمِینَ۔ ترجمہ: خداوندا! اگر توبہ، پشیمانی اور تیری طرف پلٹنا ہے تو میں پشیمان ہونے والوں میں سب سے زیادہ پشیمان ہوں۔[2]

۱۔ لسان العرب (جلد ۲)، ص ۶۱

۲۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۳۱، بند ۲۸

نیزآپ فرماتے ہیں:

يَا مَن اسْتَصْلَحَ فَاسِدَهُمْ بِالتَّوبَةِ۔ ترجمہ: اے وہ کہ جس نے اپنے بندوں کی تباہی کی اصلاح توبہ کے ذریعہ چاہی ہے۔[۱]

مربی کی ذمہ داری ہے کہ جب متربی اپنی خدا جوئی کی فطرت سے دور ہو تو اس کو اس کی فطرت کی حقیقت یعنی خدا جوئی کی طرف واپس لے آئے۔ لفظ توبہ اپنے واقعی معنی میں صرف گناہ کے متعلق ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہر قسم کی انسانیت سے دوری اور عالم مادہ کی طرف توجہ اور ماورائے مادہ (خدا) سے غفلت اور حقیقی پشیمانی اور خدا کی طرف پلٹ آنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُم وَ اِنِّي اَتُوبُ اِلَيکَ مِن کُلِ مَا خَالفَ اِرَادَتَکَ اَو زَال عَن مُحَبَّتِکَ مِن خَطَرات قَلْبِي وَ لَحظاتِ عَينِي وَ حَکَايَات لِسَانِي۔ ترجمہ: خداوندا! میں ہر اس چیز سے جو تیرے ارادہ کے خلاف ہو یا تیری محبت سے مجھے باہر کر دے یا وہ خیالات کہ جو میرے دل میں آتے ہیں جس نے تیری محبت ختم کردی ہے یا جو میں نے دیکھا ہے یا کیا ہے ان سب سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔[۲]

توبہ کردار کی تبدیلی (خاص طور سے بچوں اور نوجوانوں میں) کے سلسلہ میں ایک غیر معمولی اور بنیادی طریقہ شمار کیا جاتا ہے اور یہ جو ہماری تعلیم و تربیت کے نظام میں توبہ کو ناقابل یقین تصور کیا جاتا ہے وہ شاید اس لئے ہے کہ ہم دینی تربیتی مفاہیم کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکے ہیں اس لئے کہ ہمیشہ توبہ صرف انہیں لوگوں کے سلسلہ میں استعمال کیا جاتا ہے جو انتہائی درجہ کے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن توبہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے اور وہ یہ کہ توبہ متربی کا مربی کی آغوش میں آجانے کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ حقیقت تعلیم و تربیت میں اس وقت تک نہیں آتی جب تک مربی بھی

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۲، بند ۱۰

۲۔ ایضاً، دعا ۳۱، ص ۲۲

متربی کی طرف آگے نہ بڑھے، نہ اس کو قبول کرے اور پیار و محبت کے ہاتھوں کو پھیلا کر متربی کے پلٹ آنے کا انتظار نہ کرے۔

اس لئے توبہ اپنے مختلف مراحل کے پیش نظر شدت و ضعف کا حامل ہے۔ یعنی یہ کہ بچپن میں توبہ کے طریقہ کو بہت دھیان سے اپنایا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچپن ہی میں غلطی کرنے سے روکنا چاہئے لیکن اس کی توبہ میں اور نوجوان اور جوان کی توبہ میں فرق ہے اسی لئے بچپن میں توبہ کو دوسرے طریقوں کے ساتھ بروئے کار لانا چاہئے۔

تفضل (رحم و کرم): تفضل ان طریقوں میں سے ہے کہ جس کو ہم "اصل بازگشت" (توبہ) سے حاصل کر سکتے ہیں اور تفضل صحیفۂ کاملہ کی تعریف کے مطابق ایک ابتدائی نعمت یا احسان ہے[۱]۔ دوسرے لفظوں میں تفضل یعنی دوسروں پر احسان کرنا اور یہ احسان بغیر کسی حق کے ہوتا ہے[۲]، یعنی تفضل اس کام کا بدلہ نہیں ہے جسے متربی نے انجام دیا ہے۔ امام علیہ السلام تفضل کو پارساؤں کی صفات میں سے شمار کرتے ہیں اور اللہ تعالی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انہیں اس تربیتی طریقہ سے آراستہ فرمائے۔

اس تربیتی طریقہ میں متربی، مربی کے تفضل کے ذریعہ راہ راست پر آجاتا ہے اور اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔ بنیادی طور پر صحیفۂ کاملہ میں انابہ (توبہ) اور خدا کی طرف بازگشت، تفضل ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہی خدا کا تفضل ہے جو بندہ کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ خدا سے مانگے اور اس کی طرف پلٹ آئے:

> وَ يَحْدُونِى عَلَى مَسْئَلَتِكَ تَفَضُّلُكَ عَلَى مَنْ اَقْبَلَ بِوَجْهِهِ اِلَيْكَ وَ وَفَدَ بِحُسْنِ ظَنِّهِ اِلَيْكَ اِذْ جَمِيعُ اِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ وَ اِذْ كُلُّ نِعَمِكَ اِبْتِدَاءٌ۔ ترجمہ: تیری طرف رجوع کرنے اور تجھ سے حسن ظن رکھنے والوں پر تیرے تفضل نے مجھے تجھ سے طلب کرنے کی

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۲، ص ۳

۲۔ ایضاً، ص ۵۹

جرات دی اس لئے کہ تیرے تمام احسانات تیرے فضل و کرم کی وجہ سے ہیں اور تمام نعمتیں ابتدائی ہیں (یعنی کسی بدلے کے لئے نہیں ہیں)۔[۱]

آپ خدا کی طرف بازگشت اور توبہ کو بھی خداوند عالم کا ابتدائی فضل و احسان ہی تصور کرتے ہیں:

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی دَلَّنَا عَلَی التَّوبَةِ الَّتِی لَمْ نَفِدْهَا اِلَّا مِنْ فَضْلِهِ فَلَو لَمْ نَعْتَدِدْ مِن فَضْلِهِ اِلَّا بِهَا لَقَد حَسُنَ بَلَاؤُهُ عِنْدَنَا وَ جَلَّ اِحْسَانُهُ اِلَیْنَا وَ جَسُمَ فَضْلُهُ عَلَیْنَا۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں کہ جس نے توبہ کی طرف رہنمائی کی۔ ایسی توبہ جو اس کے فضل و کرم کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا اگر ہم توبہ کو ہی اس کا فضل و کرم شمار کریں تو ہمارے نزدیک اس کی نعمتیں بہتر، ہم پر اس کا احسان بڑا اور اس کا فضل و کرم عظیم ہوگا۔[۲]

مربی کا ابتدائی فضل و احسان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ متربی سے محبت کرتا ہے اور یہ فضل متربی کے کردار میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسے صحیح راستہ پر لگا دیتا ہے۔ رسمی اور عام تعلیم و تربیت میں عام طور سے نہ مربی کو ابتدائی احسان کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی متربی کو مربی سے اس طرح کے احسان کی امید ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا رابطہ ہمیشہ لین دین کا ہے۔ کسی احسان کے جذبے کے بغیر تفضل اس لئے ہوتا ہے کیونکہ متربی، مربی کو چاہتا ہے اور وہ اس کے دل و جان میں اتر جاتا ہے، اسی طرح جیسے کائنات کا پروردگار اپنے بندوں سے رابطہ رکھتا ہے جو بے پناہ فضل و کرم کے ساتھ مخلوقات پر ابتدائی احسان میں مشغول ہے اور مخلوق بھی اس کے تفضل کی امیدوار ہے لہٰذا تعلیم و تربیت کے نظام میں دونوں طرف سے تفضل کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔

بشارت: (خوشخبری کا طریقہ): اچھائیوں کی طرف متربی کے پلٹ آنے کے سلسلہ میں صحیفہ کاملہ میں جن طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے ان میں سے ایک طریقہ بشارت ہے۔ یہ طریقہ متربی کو خوشخبری دینے

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۲، بند ۳

۲۔ ایضاً، دعا ۱، بند ۲۲

یا امیدوار کرنے کا طریقہ ہے۔اس طریقہ میں جو عمل سے پہلے انجام پاتا ہے مربی، متربی سے ناامیدی کو دور کرتا ہے اور آنے والی نعمتوں، رحمتوں اور مہربانیوں کی خوشخبری دیتا ہے۔

بشارت کی وجہ سے متربی سکون قلب کے ساتھ عمل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، برے عمل سے دوری اختیار کرتا ہے اور اچھائی کی طرف آجاتا ہے اور اس طرح اپنے کردار کو سنوارتا ہے۔امام علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> اَللّٰھُمَ اِنِّی وَجَدْتُ فِیمَا اَنْزَلْتَ مِنْ کِتَابِکَ وَ بَشَّرْتَ بِہٖ عِبَادِکَ اِنْ قُلْتَ:یَا عِبَادِیَ الَّذِینَ اَسْرَفُوا عَلَی اَنْفُسِھِم لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ اَنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعاً۔
> ترجمہ: خداوندا! میں نے تیری کتاب میں جس کو تونے نازل کیا ہے اور جس کے ذریعہ تونے اپنے بندوں کو خوش خبری دی ہے یہ پایا ہے کہ تونے فرمایا ہے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کہ خداوند عالم تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔(سورۂ زمر، آیت ۵۳)[1]
>
> ❖
>
> سُبْحَانَکَ لَا اَیْاَسُ مِنْکَ وَ قَدْ فَتَحْتَ لِی بَابَ التَّوبَۃِ اِلَیْکَ۔ترجمہ: جب تک تونے توبہ کے دروازے کو میرے لئے کھول رکھا ہے میں تجھ سے ہرگز ناامید نہیں ہونگا۔[2]
>
> ❖
>
> فَلَولَا المَوَاقِفُ الَّتِی اُؤَمِّلُ مِنْ عَفْوِکَ الَّذِی شَمِلَ کُلَّ شَیءٍ لَا لَقَیْتُ بِیَدِی۔
> ترجمہ: اگر تیری عفو و بخشش کے وہ مقامات نہ ہوتے کہ جو ہر چیز کے شامل حال ہے تو میں خود سے آزاد ہو جاتا (خود کو تباہ کر لیتا)۔[3]

متربی کے اندر امید کو جگانا اور رحمت و نعمت و بخشش کی خوشخبری دینا، اسے تباہی سے روک لینا اور بخشش کی طرف متوجہ کردینا ہے۔البتہ اس طریقہ کار میں ایسی مہارت سے کام لینا چاہئے کہ لوگ معاملہ

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۵۰، بند ۲
۲۔ ایضاً، دعا ۱۲، بند ۷
۳۔ ایضاً، دعا ۵۰، بند ۳

نہ کر بیٹھیں ۔ اس طریقہ کار میں زیادہ روی متربی کو تاجر بنا دیتی ہے کہ وہ بنا اجر و بدلے کے کوئی عمل انجام دینے کو تیار نہیں ہوتا اور جب اجر پا جاتا ہے تو عمل کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اور اس کو اپنے دل و جان میں جگہ نہیں دیتا ہے لہٰذا خوشخبری اس حد تک ہونی چاہئے جتنی متربی کی ظرفیت ہو۔ متربی کے اندر جس قدر وسعت نفس ہو گی تبشیر اتنا ہی اس کے اندر اثر انداز ہو گی، اسی لئے بہتر ہے کہ جہاں تک ہو سکے بشارت میں غیر مادی پہلو زیادہ ہو تا کہ وہ متربی میں اس طرح اثر انداز ہو کہ جس میں دوام پایا جائے (اس لئے کہ مادی چیزیں ختم ہو جانے والی ہیں) اور وہ کبھی ختم نہ ہو۔ تربیت کی راہ میں بشارت کے ذریعہ آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود کو بچا کے رکھے اور مستقبل پر نظر رہے اس لئے کہ جو خود کو برائیوں سے زیادہ بچانے والا اور دور اندیش ہوگا اس پر خوشخبری کا اثر زیادہ اور مستحکم ہوگا اسی لئے بچوں کے لئے خوش خبری کا دائرہ محدود ہوتا ہے کیونکہ یہ کمسن متربی بدلتے ہوئے احساسات کی وجہ سے اور وقت کی نزاکت کو صحیح طریقہ سے نہ سمجھ پانے کی بنا پر خود کو اچھی طرح سے تحفظ نہیں دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اندر دور اندیشی ہوتی ہے۔

برائی کے بدلے نیکی کا طریقہ: اصل بازگشت یا کردار میں تبدیلی سے جو چوتھا طریقہ حاصل کیا جاتا ہے وہ ہے "برائی کے بدلے نیکی کا"۔ دین کے ہادیوں اور رہنماؤں کا نادان دشمنوں اور غلطی کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ اسی طریقہ کو خداوند عالم بھی اپنے نافرمان اور بدکار بندوں کے سلسلہ میں اپنے فضل و کرم کے ذریعہ اختیار کرتا ہے۔

برائی کے بدلے اچھائی کا طریقہ برائیوں کی اصلاح کے لئے بہترین اور مناسب ترین طریقہ ہے۔ کبھی کبھی برائی کرنے والے کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ، خدا کو تلاش کرنے والی اس کی فطرت کو بیدار کر دیتی ہے اور وہ اپنے کئے پر پشیمان اور شرمندہ ہوتا ہے اور سیدھے راستہ پر آجاتا ہے۔ اس طریقہ کار کو ایک خاص جذبہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تا کہ متربی پر اپنا اثر ڈال سکے۔ امام زین العابدینؑ اپنے پڑوسیوں کے لئے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاجْعَلْنِی اَللّٰھُمَّ اَجْزِی بِالْاِحْسَانِ مُسیئَھُم وَ اُعْرِضُ بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ظَالِمِھِمْ۔
ترجمہ: خداوندا! مجھے برائی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما اور یہ کہ ان کے ظالموں کے ساتھ عفو و بخشش کا برتاؤ کروں۔[1]

ایک دوسری دعا میں آپ خداوند عالم سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں:

سَدِّدْنِی لِاَنْ اُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِی بِالنُّصْحِ وَ اَجْزِیَ مَنْ ھَجَرَنِی بِالْبِرِّ وَ اُثِیبَ مَنْ حَرَمَنِی بِالْبَذْلِ وَ اُکَافِیَ مَنْ قَطَعَنِی بِالصِّلَةِ وَ اُخَالِفَ مَن اغْتَابَنِی اِلَی حُسْنِ الذِّکْرِ۔
ترجمہ: خداوندا! مجھے توفیق عطا فرما کہ جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کے ساتھ اچھائی کروں اور جو مجھ سے دور ہو گیا ہے اس کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دوں اور جس نے مجھے محروم و ناامید کیا ہے اس کو میں بخشش و عطا کے ذریعہ بدلا دوں اور جس نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے اس کے ساتھ صلہ رحم کا برتاؤ کروں اور جس نے میری غیبت کی ہے میں اس کو اچھائی کے ساتھ یاد کروں۔[2]

سزا میں تاخیر کا طریقہ: کسی کی تشویق اور حوصلہ افزائی میں جلدی کرنی چاہئے اور تنبیہ اور سزا میں تاخیر کرنی چاہئے۔ چنانچہ سزا میں تاخیر متربی کے لئے سوچنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اپنے کاموں میں خوب غور و فکر کرے اور اپنے آپ کو خطا و گناہ کی قید و بند سے آزاد کر سکے۔ اس طرح یہ طریقہ متربی کے لئے کردار میں تبدیلی اور توبہ کو ممکن بناتا ہے۔ امام زین العابدینؑ اپنے بندوں کے ساتھ خدا کے پر لطف برتاؤ پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ اَعْجَبُ مِنْ ذَلِکَ اَنَاتُکَ عَنِّی وَ اِبْطَاؤُ کَ عَنْ مُعَاجلَتِی وَ لَیْسَ ذَلِکَ مِنْ کَرَمِی عَلَیْکَ بَلْ تِاَنِّیاً مِنْکَ لِی وَ تَفَضُّلاً مِنْکَ عَلَیَّ لِاَنَّ اَرْتَدِعَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ الْمُسْخِطَةِ وَ اَقْلَعَ عِنْ سَیِّئَاتِیَ الْمُخْلِقَةِ وَلِاَنَّ عَفْوَکَ عَنِّی اَحَبُّ اِلَیْکَ مِنْ عُقُوبَتِی۔

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۲۶، بند ۳
۲۔ ایضاً، دعا ۲۰، بند ۹

ترجمہ: اور اس سے تعجب انگیز میرے سلسلہ میں تیری بردباری (جب کہ تو میری پوشیدہ حالات سے آگاہ ہے) اور مجھے سزا دینے میں تیری تاخیر ہے اور یہ اس لئے نہیں ہے کہ میں تیرے نزدیک کوئی مرتبہ رکھتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر تیرے کرم و احسان کی وجہ سے ہے تاکہ تجھ کو ناراض کرنے والی نافرمانی سے دستبردار ہو جاؤں اور ان برائیوں سے پرہیز کروں جو مجھے ذلیل کر دینے والی ہیں اور اس لئے کہ تو مجھے سزا دینے کی بنسبت معاف کر دینا زیادہ پسند کرتا ہے۔[۱]

وعظ و نصیحت کا طریقہ: صحیفہ کاملہ سے تربیت کے تین طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وعظ و نصیحت دوسرے نعمتوں کی یاد دہانی اور حمد و شکر سے آشنا کرنا اور تیسرے تذکر یعنی یاد دہانی۔

وعظ و نصیحت اگر اچھی طرح سے انجام دیا جائے تو (موعظہ حسنہ) یہ یاد دہانی کا بہترین طریقہ ہے۔ البتہ وعظ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی نصیحتوں پر خود بھی عمل کرتا ہو تاکہ اس کی نصیحتوں کا اثر ہو سکے اور یہ نصیحتیں دعا کے پیرائے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں وعظ و نصیحت کرنا دینی مربیوں اور رہنماؤں کا طریقہ رہا ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ متربیوں کو غفلتوں سے نکال کر راہ راست پر لگائیں۔

نعمتوں کی یاد دہانی کا طریقہ: وعظ و نصیحت مسلسل نعمتوں کی یاد دہانی کے ساتھ ساتھ زیادہ اثر انداز ہوتی ہے اس لئے کہ نعمتوں کی یاد دہانی متربی کے اندر دفاع کی قوت کو (یعنی بہانہ تلاش کرنا) کمزور کر دیتی ہے اور پھر اس کو ضد کرنے اور مخالفت کرنے سے روک دیتی ہے۔

نعمتوں کی یاد دہانی اس لئے ہونی چاہئے کہ متربی غفلت کی عادت اور مشغولیت کی وجہ سے (خاص طور سے اگر بچپن میں ہو کہ جب احساسات پائیدار نہیں ہوتے اور خواہشیں بدلا کرتی ہیں) اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ پچھلی نعمتوں، فراوانیوں اور آسانیوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ نعمتوں کا تذکرہ اس کو ہوش میں لاتا ہے اور اس کو منعم و مربی کے طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ صحیفہ کاملہ کی منطق میں نعمتوں کی یاد دہانی خداوند عالم کی حمد و ثنا کے ساتھ ہونی چاہئے تاکہ پھر اس بات کا احساس دلائے کہ انسان خداوند عالم کے احکام کی پابندی اور

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۶، بند ۲۶

مخالفت کرنے میں کس قدر ضعیف و کمزور ہے۔ توبہ اور خدا کی طرف پلٹ آنے کو اور اس کی توبہ کو قبول کرنے کو خدا کا فضل شمار کرتے ہوئے اس بات کی تاکید کرے اور اس سلسلہ میں خدا کی حمد و ثنا کرے کہ اس نے توبہ و بخشش کے دروازہ کو کھول رکھا ہے اور با کمال اور خوش بخت اس انسان کو سمجھے جو خداوند عالم کی طرف پلٹ آتا ہے اور اس سے لو لگاتا ہے۔[۱]

حمد و ثنا سے روشناس کرانے کا طریقہ: جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ نعمتوں کی یاد دہانی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ ہونی چاہئے تاکہ متربی نعمت دینے والے کی مسلسل نعمتوں اور بخششوں کی طرف متوجہ ہو جائے، لہٰذا متربی کو حمد و شکر سے آشنا کرایا جانا چاہئے۔ اس طرح کہ اگر یہ طریقہ متعارف نہیں کرایا گیا تو متربی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہوئے اور اس سے استفادہ کرنے کے باوجود غفلت میں پڑا رہے گا اور شکر ادا نہیں کرے گا اور وہ اس طرح سے انسانیت کی سطح سے گر کر حیوانیت میں پڑ جائے گا:

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَو حَبَسَ عَنْ عِبَادِهِ مَعْرِفَةَ حَمْدِهِ عَلَی مَا اَبْلَاهُمْ مِنْ مَنَنِهِ الْمُتَتَابِعَةِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْهِم مِنْ نِعَمِهِ الْمُتَظَاهِرَةِ لَتَصَرَّفُوا فِی مِنَنِهِ فَلَم یَحْمَدُوهُ وَ تَوَسَّعُوا فِی رِزْقِهِ فَلَم یَشْکُرُوهُ، وَ لَو کَانُوا کَذٰلِکَ لَخَرَجُوا مِنْ حُدُودِ الْاِنْسَانِیَّةِ اِلَی حَدِّ الْبَهِیمَةِ فَکَانُوا کَمَا وَصَفَ فِی مُحْکَمِ کِتَابِهِ اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُم اَضَلُّ سَبِیلاً۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس خدائے کریم کے لئے ہیں کہ جو اگر اپنے کو ان تمام مسلسل نعمتوں کی معرفت سے محروم کر دیتا جو اس نے ان پر نازل کی ہیں اور ان سب بخششوں کی معرفت سے محروم کر دیتا جو اس نے ان کے اوپر مسلسل کی ہیں تو وہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اس کا شکر ادا نہ کرتے۔ انہیں اپنی روزی میں فراوانی تو ملتی لیکن وہ اس کا شکر ادا نہ کر سکتے اور اگر ایسا ہوتا (کہ وہ شکر نہ کرتے) تو وہ انسانیت کے دائرہ سے نکل کر حیوانیت کے زمرہ میں آجاتے اور وہ ایسے ہی ہو جاتے جیسا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۱، بند ۱۸ سے ۲۲

وہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر۔[1]

صلاحیتوں کے مظاہرہ کا طریقہ: اس طریقہ کی بنیاد عزت ہے جس کی وجہ سے متربی اس بات پر آمادہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو طاقتور اور کارآمد تصور کرے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنے اندر قوت وطاقت پائے گا تو اس کے اندر عزت و سرفرازی کا احساس پیدا ہوگا اور اگر وہ خود کو کمزور اور ناکارہ تصور کرے گا تو ذلت وخواری کا احساس اس کے اندر پیدا ہوگا، اس لئے مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ متربی کے اندر پائی جانے والی قوتوں اور طاقتوں کے اظہار کے مواقع فراہم کرے اور اس طرح وہ اپنے اندر اس عزت کا احساس کرے جو اس کے اندر سے پیدا ہوئی ہے۔ اس اظہار کا بہترین طریقہ ان نعمتوں کی یادآوری اور شکر ہے جو خداوند عالم نے متربی کو عطا کی ہیں۔ نعمتوں کا عملی اظہار اور اپنی قوتوں کا ظاہر کرنا ہی نعمت کا حقیقی شکر ہے[2]۔ البتہ امام علیہ السلام کا یہ فرمانا ہے کہ انسان شکر کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ خداوند عالم کی نعمتوں کا شکر جو زبان یا عمل کے ذریعہ ادا ہوتا ہے وہ خود خدا کی ایک نعمت ہے کہ جس کا شکر بھی ادا کیا جانا چاہئے۔[3]

> اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا عَرَفْنَا مِنْ نَفْسِهِ وَ اَلْهَمْنَا مِن شُكْرِهِ۔ ترجمہ: اس خدا کا شکر کہ جس نے خود کو ہمیں پہچنوایا اور اپنا شکر ہمیں الہام کیا[4]۔

خدا کی طرف سے شکر کا الہام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسان کو فطرتاً اس کا شکر گزار ہونا چاہئے جو اس کو شرافت و بزرگی عطا کرتا ہے اور وہ جو کفران نعمت کرتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کرتا وہ اس قدر نفسانی ذلت کا شکار ہو جاتا ہے کہ خود کو دوسروں کا محتاج تصور کرتے ہوئے اپنی عزت و شرافت کو برباد کر دیتا ہے۔

اس لئے امام علیہ السلام صحیفہ کاملہ کی بہت سی دعاؤں میں خداوند عالم سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے درمیان بزرگوار و صاحب عزت قرار دے اور اپنے نزدیک ذلیل و حقیر و محتاج

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۱، بند۸و۹
۲۔ شکوہی، غلام حسین، مبانی واصول آموزش وپرورش (جلد۲۰)، ص۳۱۲
۳۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۳۷، بند۱
۴۔ ایضاً، دعا۱، بند۱۰

قرار دے۔ و ذللنی بین یدیک و اعزنی عند خلقک۔[1]

خدا کی مخلوقات کے درمیان عزت کا مطلب ہے خداوند عالم کی مدد سے اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ کرنا جس کو خدا کی بندگی کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جب متربی کو خود اپنی قوت و طاقت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوگا تو پھر وہ کسی غیر کے پاس نہیں جائے گا اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا۔ اس طرح وہ اپنی عزت کو محفوظ رکھے گا اور یہی انسان کے اندر کی عزت کو زندہ کرنے کا باعث ہے۔

حسن ظن کا طریقہ: متربی سے ہونے والی کسی غلطی کے امکان کو یقینی سمجھنا غلط ہے۔ یہ غلطی مربی کے اندر متربی کے لئے بدگمانی کا سبب ہو سکتی ہے جس کے نتیجہ میں متربی کے اندر احساس عزت ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن حسن ظن کی وجہ سے مربی، متربی کی ممکنہ غلطی کے بدلے بہترین رویہ اختیار کرتا ہے اور اس کی عزت کے ساتھ کھلواڑ نہیں کرتا۔ فقہ اسلامی میں اس طریقہ کو "اصالۃ الصحۃ" کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس اصل کے مطابق ایک مسلمان کے عمل کو صحیح اور جائز قرار دیا جاتا ہے اور اگر اس کے غلط ہونے کا امکان بھی ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور اس کی جستجو بھی نہیں کی جاتی اس لئے کہ ایک مسلمان کی عزت جستجو کرنے سے پامال ہو جاتی ہے۔ امام علیہ السلام حسن ظن کے طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے خداوند عالم سے مطالبہ کرتے ہیں:

> ...وَاسْتَعْمِلُ حُسْنَ الظَّنِّ فِی كَافَّتِهِمْ۔ ترجمہ: خداوندا! مجھے توفیق عطا فرما کہ ان سب (اپنے تمام برادران دینی اور پڑوسی) کے سلسلہ میں اچھا خیال رکھوں یعنی حسن ظن رکھوں۔[2]

عذر کو قبول کرنے کا طریقہ: متربی کی معذرت کو قبول کر لینا اس کی عزت نفس کو جانے نہیں دیتا اس لئے کہ اگر مربی اس کے عذر کو قبول نہ کرے تو پھر متربی کو اپنے گناہ کے ظاہر ہو جانے اور ذلیل ہو جانے کا ڈر نہیں رہ جاتا اور پھر ایسے موقع پر اس کی عزت نفس کو خطرہ ہوتا ہے اور اس کی شخصیت تباہی

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۲۰، بند ۱۱۸

۲۔ ایضاً، دعا ۲۶، بند ۳

کے دہانے پر پہنچ جاتی ہے۔ عذر کو قبول کر لینا تربیت کا ایک طریقہ ہے جو متربی کو عزت نفس عطا کرتا ہے۔ امام زین العابدینؑ نے دعائے اعتذار میں خداوند عالم کی بارگاہ میں اس بات کی معذرت چاہی ہے کہ انہوں نے غلطی کرنے والے کا عذر قبول نہیں کیا:

> اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعْتَذِرَ اِلَیْکَ ...مِنْ مُسیءٍ اعْتَذَرَ اِلَیَّ فَلَمْ اَعْذِرْهُ۔ترجمہ: خداوندا! میں تیری بارگاہ میں اس بات کی معذرت چاہتا ہوں کہ اگر کسی برائی کرنے والے نے مجھ سے معذرت چاہی ہو اور میں نے اس کے عذر کو قبول نہ کیا ہو۔[1]

امام علیہ السلام نے متعدد مواقع پر بندوں کی معذرت قبول کرنے کو خداوند عالم کا طریقہ بتایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ...وَ مَا اَنَا بَاَلْوَمِ مَن اعْتَذَرَ اَلَیْکَ فَقَبِلْتَ مِنْهُ۔ترجمہ: میں اس شخص سے زیادہ قابل ملامت نہیں ہوں جس نے تیری بارگاہ میں عذر کو پیش کیا اور تو نے اس کے عذر کو قبول بھی کر لیا۔[2]

عیب پوشی کا طریقہ: عیب پوشی اور عذر کو قبول کرنا اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب متربی کی غلطی یقینی ہو اور اس کے عیب اور غلطی کو چھپانا چاہئے اور نہ صرف یہ کہ دوسروں کو بتانا نہیں چاہئے بلکہ خود اس کے سامنے بھی اس کا ذکر نہیں کرنا چاہئے اور یہ دو طریقے ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔

متربی کے عیب کو چھپانا اور اس کے گناہوں کو پوشیدہ رکھنا اس کو بے عزتی اور بے حیائی سے بچاتا ہے اور جب تک اس کی آبرو اور حیا پس پردہ باقی ہے اس وقت تک اس کی عزت بھی باقی ہے اور اس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ وہ اس غلطی کی تکرار نہیں کرے گا اور گناہ میں نہیں پڑے گا۔ امام علیہ السلام خداوند عالم کی اس بات پر حمد و شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے عیبوں کو پوشیدہ رکھا ہے اور گناہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے:

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۳۸، بند ۱

۲۔ ایضاً، دعا ۱۲، بند ۱۱

یَا اِلٰهِی! فَلَکَ الْحَمْدُ فَکَم مِنْ عَائِبَةٍ سَتَرْتَهَا عَلَيَّ فَلَمْ تَفْضَحْنِی وَ کَم مِنْ ذَنْبٍ غَطَّيْتَهُ عَلَيَّ فَلَمْ تَشْهَرْنِی وَ کَمْ مِنْ شَائِبَةٍ اَلْمَمْتُ بِهَا فَلَمْ تَهْتِکْ عَنّی سِتْرِهَا وَ لَمْ تُقَلِّدْنِی مَکْرُوهَ شَنَارِهَا وَ لَمْ تُبْدِ سَوْاتِهَا لِمَنْ يَلْتَمِسُ مَعَايِبِی مِنْ جِيرَتِی وَ حَسَدَهِ نِعْمَتَکَ عِنْدِی۔ ترجمہ: اے میرے معبود! تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے کتنے ہی عیبوں کی پردہ پوشی کی اور مجھے رسوا نہ کیا۔ تو نے میرے کتنے ہی گناہوں کو چھپایا اور میری تشہیر نہ کی۔ میں نے کتنی ہی برائیاں کیں لیکن تو نے مجھے ذلیل نہیں کیا اور اس کی ذلت کا طوق میری گردن میں نہیں ڈالا اور میرے ان پڑوسیوں پر جو میرے عیبوں اور برائیوں کی تلاش میں ہیں اور تیری دی ہوئی نعمتوں پر رشک و حسد کرنے والے ہیں تو نے ظاہر نہیں کیا۔[1]

اسی طرح آپ بیسویں دعا میں خداوند عالم سے مطالبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے پارساؤں کے زیور سے آراستہ کردے کہ ان کا زیور دوسروں کے عیبوں اور برائیوں کو چھپانا ہے۔

مذکورہ بیانات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کا تربیتی نظام مختلف عناصر سے مل کر بنا ہے جس کو ہم اسلامی متون سے حاصل کرسکتے ہیں اور ہم اسے اپنے لئے مشعل راہ قرار دے سکتے ہیں۔ صحیفہ کاملہ بھی ایک معتبر کتاب ہونے کے عنوان سے بلند ترین مضامین کی حامل ہے جو اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے بنیادی عناصر کو استنباط کرنے کے لئے ایک قابل اعتماد ماخذ ہے۔

منابع و مآخذ:

- ابن منظور، لسان العرب (جلد ۱۴)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء
- باقری، خسرو، نگاہی دوبارہ بہ تربیت اسلامی، سازمان پژوہش و برنامہ ریزی آموزشی، دفتر انتشارات کمک آموزشی، انتشارات مدرسہ، تہران، ۱۳۷۹ش
- بجنوردی، میرزا حسن، القواعد الفقہیہ، مطبعہ الاداب، نجف، ۱۳۹۱ق
- جوادی آملی، عبداللہ، مراحل اخلاق در قرآن، نشر اسراء، قم، ۱۳۷۷ش

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۶، بند ۲۱

❖ حاجی دہ آبادی، محمد علی، در آمدی بر نظام تربیتی اسلام، دفتر تحقیقات وتدوین متون درسی مرکز جہانی علوم اسلامی، قم،۱۳۷۷ش
❖ شکوہی، غلامی حسین، مبانی واصول آموزش وپرورش، انتشارات آستان قدس رضوی، شرکت بہ نشر، مشہد،۱۳۷۸ش
❖ طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، انتشارات جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم
❖ فیض الاسلام (مترجم)، صحیفہ کاملہ سجادیہ، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۵ش
❖ ہوشیار، محمد باقر، اصول آموزش وپرورش، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۲۷ش